غلام گردش

آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟

چند برس پہلے سرکاری سطح پر الجزائر جانے کا اتفاق ہوا۔ شمالی افریقہ میں واقع یہ ملک کافی عرصہ تک فرانس کی کالونی رہا ہے۔ وہاں فرانسیسی زبان عمومی سطح پر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ ایک مکمل سرکاری طرز کا دورہ تھا۔ قاعدے اور ضوابط کے مطابق وہاں کی وزارت خارجہ نے تمام وفد کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔ یہ حد درجہ قرینے اور شائستگی سے بھرپور ضیافت تھی۔ الجزائر کے اعلیٰ افسران جن میں مرد اور خواتین کی تعداد تقریباً برابر تھی، ہم سے کھانے کے دوران سوال و جواب کر رہے تھے۔ یہ بالکل عام سی گفتگو تھی۔ جو موسم سے شروع ہوتی ہے اور پھر مقامی لوگوں اور ثقافت کی تعریف پر ختم ہو جاتی ہے۔ سرکاری طرز کا بے جان مکالمہ جاری تھا۔ اچانک وہاں کے ایک انتہائی سینئر سفارت کار نے پوچھا کہ آپ کی اور ہماری کیا دشمنی ہے۔ ایسے لگا کہ شائد میں نے کچھ غلط سن لیا۔ مگر اس سفید بالوں والے شخص نے دوبارہ انتہائی تمیز سے پوچھا کہ آپ کے ملک اور ہمارے ملک کے درمیان کیا رقابت ہے، کیا دشمنی ہے۔ ہم سب حیران رہ گئے۔ کیونکہ ایسی کوئی بات کم از کم ذہن کے ہزارویں حصے میں بھی نہیں تھی۔ بہت احتیاط سے پوچھا کہ ہم لوگ آپ کے سوال کو سمجھ نہیں پائے۔ پاکستان اور الجزائر تو ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہیں۔ ہماری زبان، ثقافت، لباس، سماجی روایات ایک دوسرے سے حد درجہ مختلف ہیں۔ ہماری آپ کے ملک سے کیا اور کیونکر دشمنی ہو سکتی ہے۔ یاد پڑتا ہے کہ وہ صاحب، اپنے ملک کے ڈپٹی وزیر خارجہ تھے۔ لنچ کا اختتام ہو رہا تھا۔ اس کے بعد کافی کا دور دورہ تھا۔ اب اس شخص نے انتہائی بے تکلفی سے کہا۔ کہ الجزائر کے بڑی تعداد میں مذہبی طالب علم، پاکستان سے دینی تعلیم لے کر آتے ہیں۔ وہ تمام کے تمام ہمارے ملک میں اپنے عقائد کے حساب سے خونی انقلاب لانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ جب ہماری حکومت نے اس مسئلہ کو گہرائی سے دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ پاکستان کے سب سے بڑے شہر میں دو یا تین ایسے مدارس ہیں۔ جو ہمارے طلباء کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک انقلاب لانے کی تربیت بھی دیتے ہیں۔ اس شخص نے پورے وفد کو ان مدارس کا نام بھی بتایا۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہماری بربادی میں آپ کی کیا دلچسپی ہے۔ آپ بالآخر چاہتے ہیں؟ موقعہ کی نزاکت کے مطابق طالب علم نے گزارش کی کہ آپ کو یہ معاملہ سرکاری سطح پر ہماری حکومت سے اٹھانا چاہیے۔ کیونکہ یہ تو حد درجہ حساس معاملہ ہے۔ اور اس وفد کے اغراض و مقاصد سے مکمل طور پر بالاتر ہے۔ اس سفارت کار نے گہری سانس لے کر کہا۔ ہم نے یہ معاملہ آپ کی حکومت کی اعلیٰ ترین سطح پر کئی بار اٹھایا تھا، مگر ہمیں کوئی معقول جواب نہیں مل سکا۔ اس تکلیف دہ صورت حال پر قابو پانے کے لئے ہم نے اپنے طالب علموں کو مذہبی تعلیم کے لئے پاکستان بھیجنے پر پابندی لگا دی ہے۔ اور ہماری فوج ان شدت پسندوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ گفتگو خیر ختم

ہوگئی۔ یہ واقعہ آج سے دو دہائیاں پہلے کا تھا۔اس وقت وہ شخص' پاکستان میں الجزائر کا سفیر تھا۔اور اسے ہمارے سیاسی چپقلش' فرقہ واریت اور جہادی معاملات کا بھرپور ادراک تھا۔اس اثناء میں مرکزی حکومت شائد بے نظیر بھٹو صاحبہ کی تھی۔

پورے واقعہ کو مکمل طور پر فراموش کر چکا تھا۔مگر دو تین دن سے میرے ذہن میں یہ تمام گفتگو ایک اور زاویہ سے بار بار گونج رہی ہے۔حوالہ افغانستان' طالبان اور وہاں کے مقامی حالات کا ہے۔کسی تاریخی بحث میں جائے بغیر عرض کرونگا کہ افغانستان وہ بدقسمت ملک ہے جو کم از کم چالیس پینتالیس برس سے جنگ کی آگ میں بری طرح جھلس رہا ہے۔روسی مداخلت' خانہ جنگی' مجاہدین کا قبضہ' امریکہ کا خوفناک ترین حملہ' سب کچھ' ہمارے سامنے ہے۔بیس برس میں امریکہ نے دو ٹریلین ڈالر اس جنگ میں جھونک دیے ہیں۔اسی بلین ڈالر سے افغان مقامی فوج تیار کی۔مگر بالآخر ملا کیا۔پوری افغان فوج آج طالبان کے ہاتھوں' مکمل طور پر مفلوج ہو رہی ہے۔بین الاقوامی ذرائع کے مطابق طالبان کابل پر جلد یا بدیر قابض ہو جائیں گے۔چلیے یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے۔اس وقت ہماری حکومت اور ریاستی پالیسی کہ ہم اس خانہ جنگی میں بالکل فریق نہیں بنیں گے۔حد درجہ دانشمندی پر مشتمل ہے۔مگر میرا نکتہ اس سے بالکل برعکس ہے۔چند دنوں سے ہمارے چند دانشور اور سوشل میڈیا پر لکھنے والے یہ فرما رہے ہیں۔کہ ہمارے ملک یعنی پاکستان میں اب تبدیلی' ووٹ کے علاوہ دوسرے کئی راستوں سے آ سکتی ہے۔دوسرے الفاظ میں وہ اصحاب' پاکستان میں الیکشن کی بجائے ایک مذہبی خونی انقلاب کی طرفداری فرما رہے ہیں۔کھل کر تو نہیں کہہ سکتے۔مگر اس کام کے لئے انہوں نے چند ایسی مذہبی جماعتوں کی حمایت کی طرف اشارہ کیا ہے جن پر حکومت پاکستان نے پابندی لگا رکھی ہے۔افغانستان میں کیا ہوتا ہے۔اسے مکمل طور پر ہمسایہ ملک کا داخلی مسئلہ سمجھتا ہوں۔میرا اور ہمارے ملک کے شہریوں کا اس سے بالواسطہ کوئی لینا دینا نہیں۔مگر اس عجیب وغریب سوچ یا فکر کو ترویج دینا' کہ ہمارے ملک میں اسی طرز کا انقلاب آنا چاہیے' جیسے افغانستان میں ہے' یہ حد درجہ قابل گرفت اور قابل مذمت عمل ہے۔اس کی ریاستی سطح پر بیخ کنی کرنی حد درجہ ضروری ہے۔

یاد کرواتا چلوں کہ پاکستان کا وجود ہی ایک جمہوری جدوجہد کے نتیجہ میں عمل پذیر ہوا تھا۔آزادی کے حصول کی جدوجہد بالآخر ووٹ کی طاقت پر اختتام پذیر ہونی تھی۔قائداعظم نے پوری زندگی سیاسی جدوجہد کی۔انہوں نے ایک بار بھی مذہبی شدت پسندی کی ترویج کی طرف اشارہ نہیں کیا۔اس عظیم رہنما نے فرقہ واریت سے لاتعلقی' ریاست اور مذہب کی تفریق' اقلیتوں اور خواتین کے حقوق جیسے عظیم فلسفہ پر ایک پرامن جدوجہد کی۔مسلمانوں کی اکثر مذہبی جماعتوں نے نہ صرف ان کا مذاق اڑایا بلکہ انہیں کافر تک بنا دیا گیا۔یہی مذہبی جماعتیں جو پاکستان بننے کے عمل میں بھرپور رکاوٹ تھیں۔بھیس بدل کر آج پھر' مختلف طرح سے سرگرم عمل ہیں۔میرا بنیادی سوال ہے کہ قائداعظم نے ایک فلاحی اسلامی ریاست بنائی تھی۔ان

کی لاتعداد تقاریر اس نکتے کی وضاحت کرتی ہیں۔ایک جگہ بھی انہوں نے برصغیر یا ہمارے ملک میں خونی مذہبی انقلاب لانے کی بات نہیں کی۔قائد حد درجہ اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تھے۔ان کی دانائی اور دوررس سوچ ان کی سب سے بڑی طاقت تھی۔مگر ہمارے چند ادنیٰ رہنماؤں نے ان کی فکر کو عملی طور پر برباد کرنے کی کوشش کی۔اور معذرت کے ساتھ' وہ مکمل طور پر کامیاب ٹھہرے۔ہمارے سیاسی' سماجی اور مذہبی قائدین کی اکثریت نے قائد کے ہر حکم کی بھرپور نفی کی۔چند لوگوں نے ذاتی مقاصد کے تحت شدت پسندی اور مذہبی تنگ نظری کو ریاستی سطح پر فروغ دیا۔سب جانتے ہیں کہ ضیاء الحق اور پرویز مشرف' ہمیں کس گڑھے میں دھکیل گئے ہیں۔صرف وہ نہیں' ان کے ساتھ پورا ایک فکری لاؤلشکر ہے' جو ان کے خیالات اور عمل کی حفاظت کر رہا ہے۔یہ لوگ آج پاکستان میں ایک شدت پسند انقلاب کی بات کر رہے ہیں۔الیکشن اور ووٹ کی حرمت کی دلیل سے روگردانی کر رہے ہیں۔مگر انہیں جان لینا چاہیے کہ ہم افغانستان نہیں ہیں۔ہم اپنے خوبصورت ملک کو قطعاً مزید برباد نہیں کر سکتے اور نہ کرنے دینگے۔میرا ان تمام اصحاب اور ان کی سوچ کو ماننے والوں سے سوال ہے کہ کیا انکا رول ماڈل افغانستان میں جنگ وجدل اور بدامنی ہے؟ کیا وہ اسلام کے ارفع اصول جن میں رواداری' محبت' انصاف اور مواخات ہے' ان سے بھی گریز کر رہے ہیں۔ذرا بتائیے۔بلکہ کھل کر بتائیے کہ آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟